Allama Iqbal ki Nazm 'Zouque wo Shouque' ka Tnaqeedi jayeza

B.A Urdu (Hons), part-ii, paper-iv

اقبال کی شاعری بنیادی طور پر اسلامی افکار کو پیش کرتی ہے۔ انہوں نے شاعری کے وسیلے سے اسلامی نظریہ زندگی کی ترجمانی کرتے ہوئے عصر حاضر کے مسلمانوں میں عملی زندگی کی وہی سرگرمی بیدار کرنے کی کاوشیں کی ہیں جس نے ماضی میں امتیاز وافتخار بخشا تھا۔ اور بال جبریل کی تقریبا تمام نظمیں اسی مفہوم ومقصد کو پیش کرتی ہیں۔ پیش نظر نظم ''ذوق وشوق'' میں بھی وہی مقصد کارفرما ہے لیکن اس کے ابتدائی اشعار کے مطالعے سے وضاحت ہوتی ہے کہ یہ نظم عشق رسول اکرم ﷺ میں لکھی گئی اور پانچ بندوں پر مشتمل اس نظم کی ابتدا میں سعدی کا مشہور شعر نقل کیا گیا ہے:

دریغ آدم زاں ہمہ بوستاں
تہی دست رفتن سوئے دوستاں

اور نظم کے عنوان کے نیچے خود اقبال نے یوں لکھا ہے ''ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے'' گویا یہ نظم دسمبر ۱۹۳۱ میں لکھی گئی جب اقبال عالمی مسلم کانگریس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور کوئی ایک ہفتہ بیت المقدس میں رہے اور بعض مقدس ومشہور مقامات دیکھے۔ اس نظم کی تشکیل وتکمیل پانچ بندوں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ جس کے پہلے بند میں حجاز کا ایک منظر پیش کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عاشق کا اصل مقام یہی ہے اور اسی جگہ جدائی کے ستائے ہوؤں کو دائمی راحت حاصل ہوتی ہے اور یہاں سے اہل عشق کے کتنے قافلے گزر چکے ہیں۔

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

دوسرے بند میں ماضی کے کچھ اوراق پلٹتے ہوئے عظمت رفتہ کا تذکرہ چھیڑا گیا ہے اور اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ماضی میں تمام کامیابیوں کی پشت پر جذبۂ عشق کا فیض ہی تھا اور اگر یہ عشق حق نہ ہوتو عقل، دل اور نگاہ کسی کو صحیح راستہ نہیں مل سکتا۔ اور راست بازی کا اونچا مرتبہ حاصل کیا۔ جابر بادشاہ اور سنگ دلی قوم کی مخالفت سے بے پرواہو کر توحید کا نعرہ لگایا۔ یہی عشق حق تھا جس کی برکت سے وہ اپنے وطن، قوم اور عزیزوں کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے ۔ یہی عشق حق تھا جس کے زیر اثر اپنے اکلوتے بچے کو راہ خدا میں قربان کرنے کو تیار ہو گئے ۔ حضرت امام حسین کو میدان کربال میں صبر کا جو مقام حاصل ہوا وہ عشق ہی کا کرشمہ تھا۔ بدر وحنین کی ان جنگوں میں بھی شق حق ہی کی بدولت سرخ روئی حاصل ہوئی تھی۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر وحنین بھی ہے عشق

یہاں اس نظریہ کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ بنیادی زندگی کی کامیابی کے لیے مادی اسباب کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور نہ یہ مادی اسباب اس وقت میسر تھے۔ تیسرے بند میں اقبال نے کائنات کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پرشکوہ لہجے میں وضاحت کی ہے کہ آج جو مسلمانوں کی حالت ہے اس کی پشت پر جذبۂ عشق کا فقدان ہی ہے۔ چوتھے بند میں مخاطبت رسول اکرم ﷺ سے ہے جن کی شخصیت کائنات کے لیے ایک نعت تھی اقبال نے لکھا ہے کہ تمام اچھائیاں اور خوبیاں حضور ہی کی ذات گرامی سے ماخوذ ہیں۔ شہنشاہوں کی شان وشوکت اور صوفیوں اور درویشوں کی خاکساری و بزرگی سب رسول کریم کے جلال و جمال سے ماخوذ ہیں۔ پانچویں بند میں اقبال نے فریادی لہجہ اختیار کیا ہے اور رسول کریم کے حضور میں یہ تاثر پیش کیا ہے کہ میرے گذشتہ روز وشب آپ کی نگاہوں میں ہیں۔ میں تحصیل علم میں لگا رہا لیکن مجھے یہ خبر نہ تھی کہ یہ دنیاوی علوم ایک ایسے درخت کی مانند ہیں جو پھل نہیں دیتے یعنی میری زندگی جس مشغولیات میں گزری وہاں روحانی قدروں کا کوئی گزر نہ تھا لیکن اب مجھے اس کا احساس ہے کہ عشق ہی اصل حیات ہے۔ جس کی

دنیا میں جدائی کو وصل پر فوقیت حاصل ہے۔

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہر فراق
وصل میں مرگ آرزو، ہجر میں لذت طلب

گویا وصل میں آرزو چونکہ پوری ہو جاتی ہے اس لیے مقصد بھی اپنے انجام پر پہنچ جاتا ہے۔آرزو پوری ہو جائے تو پھر اس کی لذت باقی نہیں رہتی اور عاشق کے لیے محبوب کی طلب سے بڑھ کر زندگی کی کوئی اور کشش نہیں ہے۔نظم کے آخری بند میں تمام اشارے اور کنایے ایک خاص مرکزی نکتے کی طرف کھینچ آئے ہیں۔گذشتہ واردات کا جائزہ لینے کے بعد شاعر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ برابر ایک فریب کا شکار رہا ہے۔ اقبال نے پانچویں بند کے دوسرے شعر میں ''عشق تمام مصطفیٰ'' اور ''عقل تمام بولہبا'' کہہ کر بلاغت اور ایمائیت کو منزل عروج پر پہنچا دیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ نظم ایک ایسی نظم ہے جس میں وقت اور ابریت ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔

Dr. H M Imran

Deptt. of Urdu,

S S College, Jehanabad

Contact: 9868606178